# جلسہ سالانہ جرمنی کے موقع پر محبت الٰہی اور تقویٰ کی لطیف تفسیر، بہترین زادراہ تقویٰ ہے

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ اپریل ۱۹۸۷ء بمقام ناصر باغ فرینکفورٹ جرمنی)

تشہد وتعوذ اور سورۂ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا:۔

آج اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ جرمنی کا سالانہ جلسہ شروع ہو رہا ہے۔ عموماً تو دستور یہی ہے کہ جمعہ کے دن جلسہ شروع ہوتا ہے لیکن افتتاحی خطاب جمعہ کے بعد اس مجلس میں ہوتا ہے جو خالصۃً جلسے کی غرض سے بلائی جاتی ہے لیکن اس روایت سے ہٹ کر آج میں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ میرا خطاب جو افتتاحی ہے وہ جمعہ پر ہی رکھ لیا جائے اور جمعہ اور افتتاحی خطاب اکٹھے ہو جائیں کیونکہ مجھے جمعہ اور افتتاحی خطاب جبکہ اکٹھے ہو چکے ہیں ان کے معاً بعد واپس جانا ہے اور واپسی سے پہلے، معاً بعد تو نہیں کہنا چاہئے تھا کچھ عرصے کے بعد، لیکن واپسی سے پہلے بہت سے اور کام ہیں جو یہاں کرنے ہیں کچھ میٹنگز ہیں مجلس عاملہ وغیرہ سے کچھ اور دوسرے جماعتی کاموں کے سلسلے میں وقت صرف کرنا ہے اس لئے مجبوراً میں باقی وقت آپ کے ساتھ نہیں رہ سکوں گا لیکن ابھی میں نے امیر صاحب سے اس بارے میں بات کی ہے کہ اگر جمعہ کے معاً بعد اسی جگہ اسی طرح بیٹھے ہوئے جلسہ شروع ہونا ہے تو فوراً بعد میں چلا گیا تو اس کا مجھے بھی صدمہ ہوگا آپ کو بھی اس کا خیال ہوگا کہ ٹھیک ہے جمعہ میں افتتاح تو ہو گیا لیکن جو باقاعدہ آغاز ہوا تھا اس میں میں موجود نہیں تھا۔ اس لئے میں نے تھوڑی سی یہ ترمیم کر لی ہے پروگرام میں کہ جمعہ کے بعد جب جلسہ شروع ہوگا تو تلاوت اور نظم میری موجودگی میں ہو

جائیں گے اس کے بعد افتتاحی دعا بھی ہم اکٹھے کر لیں گے پھر میں آپ سے اجازت چاہوں گا۔

دوسرے اس کی اس لئے بھی ضرورت پیش آگئی کہ آپ لوگوں کو جب تک نعرے نہ لگائیں مزہ نہیں آتا اور یہ آپ کی مجبوری خاص طور پر ہے کیونکہ دنیا کی جتنی بھی احمدیہ جماعتیں میری نظر میں ہیں اور بہت بڑی تعداد ہے جو میری نظر میں ہے ان میں نوجوانوں کا ایسا تناسب اور کہیں نہیں جیسا جرمنی میں ہے۔اس وقت یہ جماعت کا اجتماع ہے لیکن سرسری نظر سے کوئی پہچان نہیں سکتا کہ یہ جماعت کا اجتماع ہے یا خدام الاحمدیہ کا اجتماع ہے۔اس پہلو سے آپ کا خون ماشاءاللہ گرم ہے اور جلسے پر نعرے لگانے کی عادت ہے اور جمعہ پر نعرے لگا نہیں سکتے منع ہے اس لئے کچھ آپ کو خلا کا احساس رہ جانا تھا تو چند منٹ جو آپ کے ساتھ گزاروں گا اس وقت بے شک جتنے نعرے لگانے ہیں لگا لینا لیکن جمعہ کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس خطاب کے دوران ہرگز کسی قسم کی کوئی آواز بلند نہ ہو۔

گزشتہ چند خطبات میں میں تقویٰ کی طرف جماعت کو توجہ دلاتا رہا ہوں اور یہ سلسلہ ابھی آگے بڑھانے کا پروگرام ہے۔آج بھی اسی موضوع سے متعلق میں چند باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کچھ ہوسکتا ہے پہلے بھی بیان کر چکا ہوں لیکن بطور خاص آج کے اجتماع میں میں سمجھتا ہوں کہ تقویٰ کے ایک دو ایسے پہلو ہیں جن کا یہاں بیان کرنا بہت ضروری ہے۔

میں اس سے پہلے بتا چکا ہوں کہ تقویٰ ایسے خوف کو نہیں کہتے جیسے کسی جنگلی جانور سے یا فرضی ہوّے سے خوف ہوتا ہے۔تقویٰ کا یہ ترجمہ اللہ کا خوف اختیار کرو، اللہ کا ڈر اختیار کرو یہ ایک زبان کی مجبوری ہے ورنہ حقیقت میں ڈر اور خوف تقویٰ کے مضمون کو ہرگز بیان نہیں کر سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ ڈر کے نتیجے میں تو انسان دور بھاگتا ہے۔جس چیز سے خوف ہو اس سے ہٹتا ہے اور بچتا ہے اور اللہ سے تعلق میں تو خدا تعالیٰ تقویٰ کے ذریعے بندے کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ جتنا تقویٰ کا معیار بڑھتا چلا جاتا ہے اتنا ہی زیادہ انسان اپنے آپ کو خدا کی گود میں محسوس کرتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

ابتداء سے تیرے ہی سایہ میں میرے دن کٹے
گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار

(درثمین صفحہ: ۱۲۶)

کہ اے میرے آقا! مجھے تو جب سے ہوش آئی ہے میں نے اپنے آپ کو تیرے ہی سایۂ رحمت تلے پایا ہے۔

؎ گود میں تیری رہا میں مثلِ طفلِ شیر خوار

عمر گزرتی گئی مگر میں نے ہمیشہ اپنے آپ کو تیری گود میں اس طرح محسوس کیا جیسے ایک دودھ پیتا بچہ اپنی ماں کی گود میں ہوتا ہے۔ تو دودھ پیتے بچے کو تو ہر دوسری چیز سے خوف ہوتا ہے سوائے ماں کی گود کے بلکہ اس کے خوف کا احساس ہی ماں کی گود سے علیحدگی کے نتیجے میں شروع ہوتا ہے۔ ایک دودھ پیتے بچے کی نفسیات پر جب ماہرین نفسیات نے مزید غور کیا اور تحقیق کی تو ان کو پتا چلا کہ اس کے لئے سوائے گود کے اور خصوصاً ماں کی گود کے اور کوئی امن کی جگہ نہیں اور جو بچے اس گود سے محروم رہ جائیں وہ ہمیشہ کئی قسم کی نفسیاتی بیماریوں کا شکار رہتے ہیں، ان کا احساس تحفظ اٹھ جاتا ہے وہ اپنے آپ کو خالی خالی اور بغیر دفاع کے پاتے ہیں۔ **تو تقویٰ کا یہ معنی کرنا کہ خدا کا خوف اختیار کرو ان میں جن معنوں میں اللہ تعالیٰ کے خوف کو ہم سمجھتے ہیں یہ لفظ تقویٰ سے بہت زیادتی ہوگی کیونکہ اس کا حقیقی مفہوم اس سے بالکل برعکس ہے۔ خوف ان معنوں میں کہ اس خوف میں ہمیشہ مبتلا رہو کہ خدا سے دور نہ چلے جاؤ کیونکہ خدا کی دوری کا خوف جو ہے، اُس سے ڈرتے رہنا یہ ہے تقویٰ کی حقیقی تعریف۔**

اس سلسلے میں میں آپ کو اس سے پہلے خطبات میں یہ بتا چکا ہوں کہ تقویٰ دو مرکزی فطرت کے سرچشموں سے پھوٹتا ہے۔ ایک محبت سے اور ایک خوف سے۔ وہ خوف کن معنوں میں ہے اس سلسلے میں میں آئندہ آپ کے سامنے کچھ بیان کروں گا۔ وہ کون سا خوف ہے جس میں تقویٰ کی جڑیں پیوستہ ہوتی ہیں لیکن بنیادی طور پر سب سے اعلیٰ تقویٰ سب سے اونچے درجے کا تقویٰ خالصۃً محبت میں جڑیں رکھتا ہے اور محبت الٰہی سے پیدا ہوتا ہے۔ پس قرآن کریم نے جب فرمایا:۔ فَاِنَّ خَیْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی (البقرہ: ۱۹۸) کہ زادِ راہ، سفر کا خرچ سب سے اچھا تقویٰ ہے۔ تو اوّلین معنی اس آیت کے یہ ہیں کہ جہاں کا بھی تم سفر اختیار کرو خدا کی محبت لے کر چلو، خدا کی محبت اگر تمہارے ساتھ رہی تو تمہیں کبھی روحانی طور پر ضُعف اور کمزوری کا احساس پیدا نہیں ہوگا۔ ہمیشہ تمہاری غذا تمہارے ساتھ ہوگی تمہاری تقویت کے سامان تمہارے ساتھ ساتھ چلیں گے اور کبھی بھی تم اپنے آپ کو بغیر رزق کے نہیں پاؤ گے۔

اس سلسلے میں چند باتیں جو میں آپ کے سامنے خصوصیت سے رکھنی چاہتا ہوں یہ ہیں کہ بہت سے احمدی ایسے نوجوان اور بڑے اور چھوٹے بھی ہیں، مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی جنہوں نے جرمنی کا سفر اختیار کیا اور اسی طرح دیگر ممالک کا سفر اختیار کیا۔ ان کے سفر کی بنا یا ان کے سفر کی وجہ مختلف تھی اور مختلف ہے، ہمیشہ مختلف رہے گی کیونکہ ہر انسان بعینہٖ ایک وجہ سے سفر نہیں کرتا۔ کچھ ایسے ہیں جن کو جذباتی طور پر شدید تکلیف پہنچی ایک ایسے ملک میں بستے ہوئے جہاں ان کے بنیادی حقوق پہ پہرے بٹھا دیئے گئے، ہر قسم کے مذہبی حقوق ان کے تلف کر لئے گئے اور ان کے بزرگوں کو جن سے وہ بڑی محبت اور عقیدت رکھتے تھے ان کو مسلسل گالیاں دی گئی اور دی جاتی رہیں اور اب بھی دی جاتی ہیں اور ادھر سے ان کو زبان کھولنے کی اجازت نہیں۔ تو نوجوان بسا اوقات اس صورتحال کے نتیجے میں یا تو اپنا ضبط کھو بیٹھتے ہیں اور کچھ ایسی حرکت کر گزرتے ہیں جو ان کے لئے بھی اچھی نہیں اور جماعت کے لئے بھی اچھی نہیں اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر ایسا نہ کریں اور ضبط رکھیں تو ایسے نوجوان نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ تو کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے اس دباؤ کے نتیجے میں ہجرت کی۔ کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے واقعۃً جسمانی طور پر بھی تکلیفیں اٹھائیں، قید و بند کی صعوبتیں دیکھیں، گالیاں کھائیں، پتھر کھائے، گلیوں میں گھسیٹے گئے، کلمہ پڑھنے کے جرم میں ان کو کئی قسم کی اذیتوں کا نشانہ بنایا گیا اور اس لئے وہ اس لحاظ سے بھی ہجرت کے اہل ٹھہرے کہ باہر کی دنیا جن چیزوں کو دیکھتی ہے وہ ان کو دکھا سکتے تھے کہ ہاں دیکھو! اگر جسمانی اذیت ہی تمہارے نزدیک ہجرت کا حقیقی محرک بنی چاہئے تو ہم جسمانی اذیت کے نتیجے میں باہر آئے ہیں لیکن یہ مطلب نہیں کہ ان کو روحانی اذیت نہیں تھی یہ دونوں چیزیں اکٹھی تھیں۔

ایک طبقہ وہ بھی ہے، وہ بھی ہوگا اور ویسے میں امید رکھتا ہوں کہ بہت تھوڑا ہوگا کہ جنہوں نے محض اس صورتحال سے فائدہ اٹھانا چاہا ہوگا۔ انہوں نے سوچا ہوگا کہ اس ہجرت کے طوفان میں جب لوگ جا رہے ہیں ہم بھی جائیں اور اپنی زندگی کی کیفیت بدلیں، اپنے اقتصادی حالات بدلیں، ہمارے گھر والے غریب ہیں مشکلات سے گزارا کر رہے ہیں تو باہر نکلیں اور ان کے لئے بہتر کمائی کی صورت پیدا کریں۔ جذبہ تو یہ بھی نیک ہے لیکن اس نیکی کے اندر ایک تھوڑی سی خرابی کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جب وہ باہر جا کر کہتے ہیں کہ ہم اس وجہ سے نکلے تھے کہ جماعت احمدیہ کے ممبر ہونے کی

وجہ سے ہماری زندگی وہاں اجیرن ہوگئی تھی تو ایسے بھی آپ میں سے ہوں گے جو یہ بات درست نہیں کہتے۔تکلیف تو تھی لیکن تکلیف کی وجہ سے ہر شخص نے ہجرت نہیں کی بعض ایسے بھی ہیں جنہوں نے محض اقتصادی فوائد کی خاطر ہجرت کی ہوگی لیکن عمومی طور پر یہ بات کہی جاسکتی ہے،فرداً فرداً کسی ایک شخص کے متعلق یہ کہنا جائز نہیں کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے لیکن جہاں تک ان لوگوں کا تعلق ہے جنہوں نے اس لئے ہجرت کی وہ خود جانتے ہیں۔ان کے دل گواہ ہیں اور ان سے زیادہ اس صورتحال سے کوئی باخبر نہیں ہے۔

اس قسم کی ہجرت کرنے والوں میں ایسے بھی ہیں جو وہاں تقویٰ کے نسبتاً بہتر مقام پر فائز تھے۔عبادتیں بھی کرتے تھے، جہاں تک توفیق ملے نماز باجماعت بھی ادا کرتے تھے، نظام جماعت سے بھی تعلق رکھتے تھے اور مالی اور دیگر قربانیوں میں جہاں تک توفیق ملتی تھی حصہ لیتے تھے یا کم سے کم حصہ لینے کی حسرتیں ضرور رکھتے تھے۔بہت سے ایسے تھے جو غربت کی وجہ سے مختلف قسم کی مالی قربانیوں میں حصہ نہیں لے سکتے تھے مگر دل میں تمنّا ضرور تھی اور کچھ ایسے بھی ہیں جو وہاں جماعتی نقطہ نگاہ سے اچھی زندگی نہیں گزار رہے تھے۔نہ تو نظام جماعت کا فرد تھے، نہ عبادت کے لحاظ سے ان کی صورتحال تسلّی بخش تھی، نہ ان کو دین سے کوئی طبعی ایسی محبت تھی ایسے بھی تھے جو ورثہ میں احمدیت کو پانے والے تھے لیکن ان کا اٹھنا بیٹھنا ایسے لوگوں میں تھا ایسی غلط سوسائٹی میں تھا کہ کئی گندی عادتیں وہ ساتھ لے کر آئے۔اب کئی قسم کے لوگ یہاں اکٹھے ہوگئے نیت کے لحاظ سے بھی اور عملی حالت کے لحاظ سے بھی لیکن جرمنی میں پہنچنے کے بعد جب آپ کو ایک غیر عمومی نظر سے دیکھتا ہے تو اس کو اس پس منظر کی تفریق کا علم نہیں،اس کو نہیں پتا کہ کون کس نیت سے وہاں سے نکلا تھا کس حد تک اس میں خدا کا حصہ تھا، کس حد تک اس میں نفس کا حصہ تھا۔وہ نہیں جانتا کہ کس معیار کا احمدی پاکستان سے چلا تھا، اعلیٰ اخلاقی قدریں لے کر وہاں سے نکلا تھا یا اخلاقی قدروں سے محروم خالی ہاتھ وہاں سے نکلا تھا۔ایسا تھا جو دنیا کے لحاظ سے تو محروم تھا لیکن دین کے لحاظ سے نہیں تھا یا ایسا تھا کہ دونوں لحاظ سے اس کے دامن میں کچھ بھی نہیں تھا۔اس لئے وہ عمومی طور پر جب آپ کا جائزہ لیتا ہے تو آپ کو جماعت کا نمائندہ اور جماعت کا سفیر سمجھتا ہے اور یہاں آنے کے بعد آپ میں سے کچھ ایسے ہیں جو بدقسمتی سے چونکہ وہیں سے کمزوریاں رکھتے تھے یہاں آکر نئی کمزوریوں کا بھی شکار ہوگئے۔بہت سی ایسی برائیوں

نے کھلے ہاتھوں ان کا استقبال کیا جن کے تصور سے بھی وہاں وہ خوف کھاتے تھے اور وہم بھی نہیں کر سکتے تھے کہ سوسائٹی میں کھلم کھلا میں ایسی حرکت کرسکوں گا لیکن یہاں کی سوسائٹی نے اپنے دروازے کھولے ان کا استقبال کیا، برائیوں نے زیادہ استقبال کیا اور خوبیوں نے کم استقبال کیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ جو کمزوریاں لے کے چلے تھے یہاں آنے کے بعد اور بھی زیادہ کمزوریوں کا شکار ہو گئے اور چونکہ داغ زیادہ دکھائی دیتا ہے اور بے داغ حصہ کم دکھائی دیتا ہے۔ ایک سفید چادر پر اگر داغ پڑا ہو تو وہ بہت نظر کو برا لگتا ہے فوراً پہلے داغ پر نظر جاتی ہے۔ بعض لوگ جو نوکروں سے کام لیتے ہیں صفائیوں کا خواہ انڈسٹریل ہو یا دوکانوں کا یا گھروں کا وہ جب صفائی کے بعد گھر میں داخل ہوتے ہیں یا دکان میں داخل ہوتے ہیں تو چاروں طرف نظر ڈالتے ہیں اور صفائی ان کو خوشی نہیں دیتی لیکن جو گندہ داغ ہے وہ جہاں بھی پڑا ہو وہیں نظر ان کو پکڑ لیتی ہے کہتے ہیں اچھا اس کا نام تم نے صفائی رکھا ہوا ہے۔ یہ تو گندہ داغ رہ گیا ہے تم کام چور ہو، تم نکمّے ہو اور کئی قسم کی سخت زبان اس کے خلاف استعمال کرتے ہیں اور اس کی صفائی کو بھول جاتے ہیں۔

تو ایسی جماعت جو دنیا کے سامنے جماعت کے بانی نے تقویٰ کے اعلیٰ معیار کے طور پر، نمونہ کے طور پر پیش کی ہو جس کے متعلق اس نے دعویٰ یہ کیا ہو کہ میں تمہی میں سے نسبتاً کمزور اور ادنیٰ حالت میں لوگوں کو پکڑتا ہوں اور اللہ کی دی ہوئی توفیق کے ساتھ ان میں ایک پاک تغیر پیدا کرتا چلا جا رہا ہوں۔ ایک نئی روحانی پرندوں کی جماعت تمہاری مردہ مٹی سے پیدا کر رہا ہوں۔ یہ دعویٰ کیا ہو تو دنیا کی نگاہ اور بھی زیادہ برائیوں کی تلاش میں مستعد ہو جاتی ہے اور بہت نمایاں طور پر اس کو گندے داغ دکھائی دینے لگتے ہیں اور اگر یہ داغ زیادہ ہوں اور بدقسمتی سے ایسے لوگ زیادہ آئے ہوں جو کمزوریاں لے کر باہر نکلے ہیں تو دیکھنے والا بالعموم باقی سب کو نظر انداز کر کے انہی کمزور لوگوں پر نظر رکھے گا اور جماعت احمدیہ کے متعلق جو بھی تصور باندھے گا ان کو پیش نظر رکھ کر باندھے گا۔

اس لحاظ سے آپ پر بہت ہی زیادہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور پھر جب آپ سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ تبلیغ کریں آپ انقلاب عظیم برپا کر دیں، اس ملک کی حالت بدل دیں اور اس ملک کا شکر یہ اس طرح ادا کریں کہ انہوں نے آپ کو اقتصادی اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالا ہے آپ ان کو روحانی اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالیں اور هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ

اِلَّا الْاِحْسَانُ (الرحمٰن:۶۱) پر یہ عمل کر کے دکھائیں کہ ادنیٰ احسان کے بدلے ان پر اعلیٰ احسان کریں۔ جب آپ سے یہ توقع کی جاتی ہے تو وہ کمزوری والا پہلو اور بھی زیادہ نمایاں ہو کر تکلیف دہ شکل میں سامنے آجاتا ہے۔

ان سب باتوں کا کیا حل ہے؟ ایک تو وہ حل ہے جو مسلسل جماعت میں جاری ہے تنظیمیں کوشش کر رہی ہیں۔ کہیں لجنہ اماء اللہ کام کر رہی ہے، کہیں اطفال الاحمدیہ، کہیں خدام الاحمدیہ، کہیں انصار اللہ، کہیں جماعت کا عمومی نظام ہے اور یہ ایک بہت ہی لمبا کام ہے اور ہمیں جلدی ہے، ہمارا وقت تھوڑا ہے، ہمیں بہت جلدی انقلاب برپا کرنا ہے۔ ہم صبر سے انتظار نہیں کر سکتے کہ مدتوں کے بعد آہستہ آہستہ منجھ کر یہ لوگ صاف ہوں اور پاک ہوں۔ اس کا کیا حل ہے؟ اس کا سب سے اعلیٰ، سب سے اوّل اور سب سے آخر، سب سے نمایاں اور سب سے زیادہ مؤثر حل یہ ہے کہ آپ کو محبت الٰہی کے تقویٰ کی تعلیم دوں۔ آپ کو بتاؤں کے سب بیماریوں کا حل ایک ہی ہے کہ ہر شخص خواہ کمزوری کی کسی حالت میں بھی ہے فوری طور پر اپنے رب سے محبت اور پیار کا تعلق پیدا کرنے کی کوشش کرے۔ یہ وہ تعلق ہے جس کے ساتھ کڑوی نصیحتیں شامل نہیں ہیں، یہ وہ تعلق ہے جس کے ساتھ نظام کی پکڑ شامل نہیں، یہ وہ تعلق ہے جس کے ساتھ کوئی طعن آمیزی شامل نہیں ہے، کوئی دنیا کی سزا کا اس میں دخل نہیں۔ ایک لمحہ آپ کی زندگی کا آپ کے اندر ایک عظیم روحانی انقلاب برپا کر سکتا ہے اور وہ لمحہ اس فیصلے کا لمحہ ہے کہ آپ نے اپنے رب سے محبت کرنی ہے، اُس کی یاد کو دل میں بسانا ہے، زیادہ سے زیادہ اس کے قریب ہونے کی کوشش کرنی ہے۔ اگر یہ لمحہ آپ کو نصیب ہو جائے تو خواہ آپ دنیا اور آخرت دونوں لحاظ سے خالی ہاتھ پاکستان سے چلے تھے آپ کو دونوں جہان کی دولتیں نصیب ہو جائیں گی۔ نہ آپ تہی دامن رہیں گے دنیا کے لحاظ سے نہ آپ تہی دامن رہیں گے آخرت کے لحاظ سے اور وہی لمحہ محبت الٰہی کا لمحہ ہے جو دونوں جہان کی دولتیں نصیب کرنے والا لمحہ ہے۔

اسی لئے سب سے زیادہ زور قرآن کریم نے محبت کے تقویٰ پر دیا ہے اور اسی لئے حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق کو آپ کے دشمنوں نے بھی عشق کے تعلق کے طور پر دیکھا ہے۔ عرب جو آپ کے شدید دشمن تھے وہ بھی برائیوں کی تلاش میں اس سے بہت زیادہ تھے جتنا یہاں کا ماحول آپ کی برائیوں کی تلاش میں ہے لیکن بڑی گہری نظر کے مطالعہ کے بعد

اور بڑی گہری دشمنی کی نظر کے مطالعہ کے بعد انہوں نے یہ فیصلہ دیا کہ **عَشِقَ محمد ربہ** کہ ہمیں تو یہ پتا لگ رہا ہے کہ یہ شخص محمدؐ اپنے رب کا عاشق ہو گیا ہے اور جب عرب **عَشِقَ** کا لفظ ان معنوں میں بولتا تھا تو مراد یہ ہوتی تھی کہ عشق میں پاگل ہو گیا ہے، دنیا و مافیھا کی ہوش نہیں رہی، سب کچھ گنوا بیٹھا ہے۔ سوائے اللہ اللہ کے اس کو کچھ یاد ہی نہیں رہا اور کچھ اس کے اوپر کسی رنگ میں اثر انداز ہی نہیں ہوتا صرف خدا کا تصور ہے جو اس کی زندگی پہ چھا گیا ہے۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے بیان فرمایا لیکن بدقسمتی سے بعض لوگوں نے اس کو سمجھا نہیں اور اس کے غلط معنی کئے جبکہ خدا نے فرمایا وَ وَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى (الضحیٰ:۸) اے محمدؐ! تیرے رب نے تجھے ضال پایا اور تجھے ہدایت دی۔ ضال کہتے ہیں اس شخص کو بھی جو گمراہ ہو جائے اور اس شخص کو بھی جس کو ہوش ہی باقی نہ رہے۔ کسی خیال میں ایسا کھویا جائے، کسی عشق میں ایسا مبتلا ہو جائے کہ دنیا و مافیھا ہاتھ سے گنوا بیٹھے اور سوائے ایک خیال کے کوئی خیال اس کے لئے باقی نہ رہے تو ضَآلًّا سے مراد یہ تھی کہ اللہ نے تجھے اپنے عشق میں ایسے سرگرداں پایا کہ سب کچھ تیرے ہاتھوں سے کھویا گیا۔ سوائے خدا کے ذکر کے کچھ بھی باقی نہیں رہا۔ پس اس حالت کو دیکھ کر اللہ نے تجھ پر پیار کی نظر ڈالی فَهَدٰى اس نے پھر خود تیری ہدایت کا سامان فرمایا یعنی اپنا وصل عطا کیا۔ **تو حقیقت یہ ہے کہ سب سے آسان سفر خدا کی راہ میں اور سب سے زیادہ قوی تربیت کرنے والا عنصر تقویٰ کا عنصر ہے جو محبت الٰہی پر مبنی ہو اس کے بغیر آپ کا ہر سفر مشکل ہوگا۔**

بہت سے لوگ مجھے جرمنی سے خصوصیت کے ساتھ خط لکھتے ہیں اپنی مشکلات میں دعاؤں کے لئے کئی قسم کے مسائل ہیں جن کا وہ ذکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے ان کے لئے توفیق بھی ملتی ہے اور مجھے یہ معلوم کر کے خوشی ہوتی ہے کہ ان کی توجہ دعا کی طرف ہے لیکن بعض دفعہ ایسے خطوں سے بعض تکلیف دہ شکلیں بھی سامنے آتی ہیں۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ ہم نے اتنی دعائیں کیں کچھ بھی نتیجہ نہیں نکلا۔ اتنی سر کھپائی خدا کے سامنے کی، اتنا کچھ مانگا لیکن ابھی تک کچھ نہیں ہوا۔ اس لئے آپ کچھ اور زور لگائیں کہ یہ کام ہو جائے۔

تأثر یہ پیدا ہوتا ہے کہ گویا ہر شخص کی دعا سننے اور اسے ماننے پر خدا پابند بیٹھا ہوا ہے۔ ایسے لوگ دعا کا فلسفہ ہی نہیں سمجھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دعا کا فلسفہ بھی تقویٰ کے بغیر سمجھ نہیں آ سکتا۔ ابھی کل

کی بات ہے وہاں بیلجیئم میں مقامی بیلجیئن احمدیوں سے میں نے گفت وشنید کی تو ان کو اس طرف متوجہ کیا اور اسی مضمون پر روشنی ڈالتے ہوئے میں نے بعض باتیں ان کے سامنے کھولیں جو میں آپ کے سامنے بھی کھولنا چاہتا ہوں۔

خدا سے دعا مانگنے والے بندے مختلف انواع کے بندے ہوتے ہیں مختلف قسموں کے لوگ ہیں۔ کچھ ایسے ہیں جن پر جب تک انتہائی مصیبت کا وقت نہیں آتا وہ خدا سے دعا مانگنے کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے۔ شدید بیقراری پیدا ہو جائے، غرق ہو رہے ہوں، کینسر نے گھیر لیا ہو، مر رہے ہوں یا اسی قسم کی کوئی اور ناگہانی مصیبت یا پرانی بیماری بڑھتے بڑھتے نا قابل علاج ہو چکی ہو۔ جب ایسی مشکلات کا سامنا آتا ہے تو پھر وہ خود بھی دعا کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی دعا کے لئے لکھتے ہیں یعنی ضرورت بھی وہ ہو جو حد سے بڑھ جائے وہ خدا کی یاد دلاتی ہے۔ اور کچھ ایسے ہیں جو وقتاً فو قتاً ضرورت کے وقت خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں اور ضرورت پورا ہونے پر بھلا بھی دیتے ہیں۔ لیکن کچھ ایسے ہیں جو ضرورت سے بے نیاز اپنے رب سے پیار کا تعلق رکھتے ہیں۔ خدا ان کی زندگی کا جزو بن چکا ہوتا ہے وہ اس کے بغیر رہنے کا تصور ہی نہیں کر سکتے۔ ان تینوں گروہوں کی حالتیں مختلف ہیں۔

پہلا گروہ جو ہے وہ تو اس قسم کا نظریہ رکھتا ہے کہ میں تجھے اس وقت یاد کروں گا جب اور کوئی چارہ ہی نہیں رہے گا اور اس سے ادنیٰ حالت میں تجھے یاد کرنے کا کوئی سوال نہیں۔ جب ہر بات ہر طاقت مجھے چھوڑ دے گی جب کوئی اور سہارا باقی نہیں رہے گا پھر میں تجھے یاد کروں گا لیکن اس طرح سے آزماؤں گا اگر تو نے میری بات مان لی تو میں تیری عزت کروں گا اگر نہیں مانی تو تجھے سو سو گالیاں بھی دوں گا کہ تو کہاں سے خدا بنا پھرتا ہے۔ میں نے تو اتنی حد کر دی، ماتھا رگڑا، منتیں کیں اور تو نے بات ہی نہیں سنی میری دعاؤں کے ہوتے ہوئے میرا فلاں دوست مر گیا، میں فلاں مصیبت کا شکار ہو گیا، میرا قرضہ نہیں اترا، یہ نہیں ہوا وہ نہیں ہوا اور تو عجیب خدا ہے اس لئے میرا تجھ سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ ان کی دعا حقیقت میں چیلنج کا رنگ رکھتی ہے ایک مقابلے کا رنگ رکھتی ہے، ایک بغاوت کا رنگ رکھتی ہے، وہ چاہتے ہیں کہ خدا کو جب بھی یاد کریں ایک نوکر کے طور پر یاد کریں، ایک ادنیٰ غلام کے طور پر یاد کریں اور وہ بھی روزمرہ بلانے والا نوکر نہیں ایسا نوکر جو کہیں دور بٹھایا گیا ہو جس کی شکل دیکھنا بھی انسان عام حالات میں گوارا نہ کرتا ہو لیکن کبھی ضرورت مجبور کر دے کہ ہاں اسے ضرور بلایا جائے

اور اس سے کوئی گندہ کوئی مشکل کام لیا جائے۔ اس دعا کو دعا کہنا کہاں کی عقلمندی ہے؟ اس دعا کے متعلق یہ تصور باندھنا کہ یہاں دل سے نکلے گی اور عرش پہ فوراً سنی جائے گی ۔ یہ کہاں کی ہوشمندی ہے؟ لیکن اللہ اپنے بندے پہ اتنا مہربان ہے کہ فرماتا ہے کہ بعض دفعہ ایسے بندوں کی بھی میں سن لیتا ہوں اور یہ جانتے ہوئے بھی سن لیتا ہوں کہ جب خطرے ٹل جائیں گے تو مجھ سے اعراض کریں گے مجھے بھول جائیں گے، میرا نام بھی نہیں پھر لیں گے اور ان کو پکارا کریں گے جو میرے سوا انہوں نے شریک بنا رکھے ہیں پھر بھی خدا کبھی کبھی ایسے بندوں پر مہربانی فرماتا ہے کیونکہ وہ بہت ہی مہربان ہے۔ لیکن جہاں تک انسان کے زاویہ نگاہ کا تعلق ہے اس کا ہرگز حق نہیں، ہرگز اس کو زیبا نہیں کہ اس دعا کو حقیقی معنوں میں دعا سمجھے اور پھر اس دعا پر ایسا انحصار کرے کہ گویا خدا پابند ہو چکا ہے اس حکم کو ماننے پر اور اگر نہیں مانے گا تو پھر میں سمجھوں گا کہ ہے ہی کوئی نہیں۔ جو لوگ ایسی شرطیں لگاتے ہیں اور ایسی حرکتیں کرتے ہیں ان کو معلوم ہی نہیں کہ خدا کیا ہے اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی سنی بھی جائے تو تب بھی وہ خدا کو پا کر کھو دیتے ہیں۔ انہی کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہم جانتے ہیں یہ بڑے خود غرض بندے تھے۔ میں نے تو ان کی سن لی انہوں نے مجھے چھوڑ دینا ہے کیونکہ اس لائق نہیں ہیں کہ میرے ساتھ رہیں۔ اس لئے دراصل ان کا چھوڑ دینا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی دعا سنتے وقت خدا جانتا تھا کہ ضرورت تو میں پوری کر دوں گا لیکن میرے ساتھ رہنے کے لائق نہیں ہیں۔

اسی قسم کی ایک دعا کا ذکر قرآن کریم میں اس فرعون کی دعا کے ذکر کے طور پر ملتا ہے جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقابلے پر نکلا تھا۔ جب وہ غرق ہونے لگا تو اس نے دعا کی کہ اے خدا! تو مجھے نجات بخش میں آج اس وقت موسیٰ اور ہارون کے رب پر ایمان لاتا ہوں ۔ گویا ایمان لانا فرعون کا کوئی اتنا بڑا خدا پر احسان تھا کہ اس کے نتیجے میں اس کی ساری خطائیں سارے مظالم اچانک معاف ہو جانے چاہیئے تھے اور اچانک وہ مقبول بندہ بن جانا چاہیئے ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جو جواب دیا وہ یہ تھا آٰلْـٰٔنَ (یونس: ۹۲) اب یہ معافی کا کون سا وقت ہے؟ جب تم کچھ کر سکتے تھے میرے بندوں کے خلاف اور میرے پیاروں کے خلاف اس وقت تم باز نہیں آئے؟ اب تم میں طاقت کیا ہے؟ بے حیثیت لہروں کے تھپیڑوں کے رحم پر پڑے ہوئے ہو۔ اب تم معافی مانگ رہے ہو اس معافی کے کیا معنی؟ لیکن میں پھر بھی رؤف رحیم ہوں میں تیرے بدن کو نجات بخش دوں گا (یونس: ۹۳)

لیکن اس شرط کے ساتھ کہ تیری روح مردود ہے اور نامقبول رہے گی، تیری روح کی نجات کا میں کوئی وعدہ نہیں کرتا۔

پس ایسے بندے جو محض اپنی ضرورت کے وقت خود غرضی کے نتیجے میں خدا کی طرف مائل ہوتے ہیں بعض دفعہ سنی بھی جاتی ہے فرعون کی بھی سنی گئی تھی ان معنوں میں لیکن خدا اس کے باوجود ان کی روحوں کو قبول نہیں کرتا کیونکہ وہ بدن کی خاطر خدا کے خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور ان کی آس ان کی تمنا خدا سے بہت ہی چھوٹی اور بہت ہی گھٹیا ہوتی ہے۔ اللہ سے پیار کے نتیجے میں اُس کے پاس نہیں جاتے۔ پس آپ میں سے جو ضرورت مند ہیں وہ وہ نہ ہوں جو اس قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگر پہلے خدا کو یاد کرنے کی عادت نہیں تھی تو مصیبت نے یاد کرا دیا لیکن پھر اس شرط کے ساتھ دعا کیا کریں کہ ہم حقدار نہیں ہیں۔ ہم نے ساری زندگی تجھ سے اعراض کیا، ہماری ساری زندگی گناہوں اور غفلتوں کا شکار ہوگئی، جو کچھ تو نے دیا تیرا کرم تھا جو کچھ تو نے عطا کیا تیرا رحم تھا ہم کسی چیز کے بھی حقدار نہیں تھے اب تو ہمیں عطا فرمادے تو تیری عنایت ہے، نہ بھی عطا فرما تو کم سے کم اپنا تو بنا لے۔ آئندہ کی زندگی میں ہمیں یہ اطمینان تو نصیب کر کہ ہم تیرے ساتھ رہیں اور تیرے ساتھ رہنے والے ہوں اور کبھی تجھ سے بے وفائی نہ کریں۔ یہ اگر دعا کریں ایسی مصیبتوں میں مبتلا لوگ تو ان کی دعا کی بھی کیفیت بدل جائے گی ان کی اپنی زندگیوں کی کیفیت بھی بدل جائے گی۔ آناً فاناً وہ اپنے آپ کو ایک نئی زندگی میں پائیں گے نئی حالت میں دیکھیں گے اور محسوس کریں گے کہ انہیں وہ دن نصیب ہوا ہے جس کے بعد کوئی موت نہیں ہے، ایک ابدی زندگی ہے۔

پھر دوسری قسم کے لوگ ہیں جو نسبتاً اعلیٰ مقام پر ہیں لیکن پھر بھی ادنیٰ یعنی نہایت اعلیٰ مقام پر تو نہیں لیکن ان کے مقابل پر بہتر مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ چھوٹی موٹی ضرورتوں کے وقت وہ خدا کو یاد کرتے رہتے ہیں اور جب وہ ضرورتیں ٹل جاتی ہے تو پھر وہ بھول بھی جاتے ہیں ساتھ ساتھ۔ وہ اس بات کو بھول جاتے ہیں کہ محبت کا تعلق دو طرفہ ہوا کرتا ہے اگر آپ خدا کو یاد کرتے ہیں اس وقت جب آپ کو خدا کی ضرورت ہے تو جب خدا کو آپ کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت بھی تو اس کو یاد کیا کریں۔

خدا کو ضرورت کیسے ہوتی ہے خدا کے دین کو آپ کی ضرورت ہوتی ہے، خدا کے بندوں کو آپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر اپنی ضرورت کے وقت آپ کسی دوست کو یاد کیا کریں گے اور دوست

کی ضرورت کے وقت اس کو بھول جایا کریں تو آپ جانتے ہیں کہ وہ دوست آپ کے متعلق کیا سمجھے گا اور رفتہ رفتہ اگر تعلق تھا بھی تو وہ گرتے گرتے بے تعلقی اور بعض دفعہ پھر دشمنی میں بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ آپ کے ساتھ اگر کوئی ایسا سلوک کرے کہ جب ضرورت پڑے آپ کے پاس آ جایا کرے منتیں خوشامدیں کرے، معافیاں مانگے اور کہہ دے کہ اب میرا کام کر دو مجھ سے بڑی غلطیاں ہوئیں۔ بسا اوقات آپ اس کی بات مان بھی لیتے ہیں۔ رحم کا بھی سلوک کرتے ہیں، عفو کا سلوک کرتے ہیں، معاف کرتے چلے جاتے ہیں مگر کب تک۔ اگر مسلسل اسی طرح کرے کہ جب آپ کو ضرورت پیش آئے تو وہ آپ سے منہ موڑ لے، اعراض کرے بلکہ باتیں بنائے اور کہے کہ تم آ گئے ہو اپنا کام کروانے کے لئے تمہیں پتہ ہی نہیں ہماری اور ذمہ داریاں کتنی ہیں۔ تمہیں تو ہوش ہی اور کوئی نہیں تم سمجھتے ہو کہ میں خالی تمہاری خاطر بیٹھا ہوں، اگر اس قسم کی باتیں کرے آپ کے دل میں اس کی کیا قدر باقی رہ جائے؟ اللہ بھی بندوں سے بندوں والا معاملہ فرماتا ہے ورنہ وہ تو لامحدود ہے۔ ذاتی طور پر وہ کیا سوچتا ہے؟ کس طرح سوچتا ہے؟ اس کے احساسات ہیں یا نہیں ہیں؟ یہ سارے ایسے راز ہیں جن کو خدا کے سوا یا ان بندوں کے سوا جنہیں وہ راز عطا فرمائے اور کوئی نہیں جانتا۔ اس کا بندوں سے معاملہ اس طرح ہوتا ہے کہ جیسے بندے ویسا ہی ان کے لئے وہ بن جاتا ہے۔ اس لئے خدا کو سمجھنے کے لئے اپنی فطرت کو سمجھنا ضروری ہے، اپنے احساسات کو پہچاننا ضروری ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ نے یہ راز ہمیں سکھلا دیا اور بڑا گہرا راز ہے، بہت سادہ سا فقرہ ہے لیکن اس میں معرفتوں کا سمندر پنہاں ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دی اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ (بخاری کتاب التوحید حدیث نمبر: ۶۹۵۱) بندے کا ظن تو مجھے سما ہی نہیں سکتا ویسے لیکن میں بندے کے ظن کے مطابق ہو جاتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ چھوٹا سا بچہ ایک لمبے چوڑے قد آور باپ کو تو پہنچ نہیں سکتا، وہ جھک جاتا ہے، نیچے ہو کر اس کی پیشانی کا بوسہ لے لیتا ہے یا اس کو اٹھا کر گلے سے لگا لیتا ہے۔ تو آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے یہ راز سمجھا دیا کہ بندے خواہ کسی بھی مقام پر ہوں میرے مقابل پر تو اتنے ادنیٰ اور اتنے بے حقیقت، اتنے بے معنی ہیں ان کا دماغ خواہ بظاہر آسمان کی چوٹیوں سے باتیں کرتا ہو لیکن میرے علم اور میرے فہم اور میرے ہمیشگی کے حکمت کے سرچشمے کے مقابل پر اس کی کوئی بھی حیثیت نہیں۔ پھر کس طرح ہمارا ملاپ ہو کیسے ممکن ہے کہ ہم

اکٹھے ایک سطح پر ایک دوسرے سے باتیں کرسکیں۔ فرمایا اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ وہ میرے مطابق نہیں ہوسکتا میں بندے کے مطابق ہو جاتا ہوں میں کہتا ہوں اچھا میں چھوٹا ہو جاتا ہوں تمہارے ساتھ۔ جس طرح ماں باپ چھوٹے سے بچے سے توتلی باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہ ان کو باتیں کرنی بھول جاتی ہیں۔ یہ ان کی عظمت کا اظہار ہوتا ہے، ان کے چھوٹے پن کا اظہار نہیں ہوتا، جس زبان میں بچہ ان سے باتیں کرتا ہے اسی زبان میں وہ اس سے باتیں شروع کر دیتے ہیں۔ اگر وہ چھوٹے قد کا ہے تو نیچے جھک جائیں گے، اگر وہ لیٹا ہوا ہے تو پنگھوڑے میں سر رکھ کر اسے پیار کریں گے۔ غرضیکہ جس سے پیار ہو اس کے مطابق ہونے کی انسان کوشش کرتا ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے بھی یہ راز سمجھایا کہ میں بندے کے مطابق ہو جاتا ہوں۔ اس لئے خدا کو سمجھنے کے لئے اپنی فطرت کا مطالعہ کریں۔ اپنے جذبات اور احساسات اور اپنے احساسات کے ردعمل کو جانچیں پھر آپ کو معلوم ہونا شروع ہو جائے گا کہ آپ سے خدا کیا توقع رکھتا ہے اور آپ کو خدا سے کیا توقع رکھنی چاہئے۔ اگر روزمرہ کی زندگی میں کوئی ایسا شخص آپ کو ملتا ہے جو ضرورت کے وقت دوست بن جاتا ہے اور ضرورت رفع ہونے پر آپ سے استغناء اختیار کرتا ہے، منہ موڑ لیتا ہے، پرواہ بھی نہیں کرتا تو آخر کب تک آپ اس سے پیار کا سلوک کریں گے۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ آپ اس کی شکل دیکھنے کے بھی روادار نہ رہیں گے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ بھی پھر آخر ایسے بندوں کو چھوڑ دیا کرتا ہے۔ اگر نہیں چھوڑا تو غنیمت ہے ابھی اپنی حالت میں تبدیلی پیدا کریں اور کوشش کریں کہ وہ وقت جب خدا کو آپ کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت خدا کے بن کر دکھائیں۔

آنحضرت ﷺ نے ایک تمثیل کے رنگ میں یہ بات بیان کی کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن بعض بندوں سے کہے گا، شکوہ کرے گا کہ دیکھو میں بھوکا تھا میں تمہارے پاس آیا تم نے مجھے کھانا نہیں کھلایا، میں پیاسا تھا اور میں تمہارے پاس آیا مدد کے لئے تم نے مجھے پانی نہ پوچھا اور میں ننگا تھا اور تمہارے پاس میں کپڑوں کے لئے آیا تم نے مجھے کپڑے نہ دیئے۔ تو بندہ عرض کرے گا اے کائنات کے مالک تو نے ہمیں پیدا کیا ہر چیز تیری ہے تیری طرف لوٹ کے آتی ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ تو بھوکا ہو اور میں جو حقیر اور ذلیل اور ادنیٰ آدمی اپنا کچھ بھی نہیں رکھتا میرے پاس تو بھوک مٹانے کے لئے آئے۔ کیسے ممکن ہے کہ تجھے پیاس لگی ہو اور میرے پاس پانی مانگنے کے لئے آئے جبکہ میں خود تیرے

پانی کا محتاج ہوں ۔ کیسے ممکن ہے کہ تو ننگا ہو اور مجھ ننگے بدن کے پاس مجھ سے کپڑے مانگنے کے لئے آئے ۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہاں ایسا ہی تھا جب میرا بھوکا بندہ تیرے پاس حاضر ہوا، بھوک سے بے تاب تھا وہ میں ہی تھا جو تیرے پاس بھوک مٹانے کے لئے آیا تو نے میرے بندے کی پرواہ نہیں کی، تو نے مجھے رد کر دیا۔ جب میرا پیاسا بندہ تیری خدمت میں حاضر ہوا پیاس مٹانے کے لئے تجھ سے درخواست لے کر اور تو نے اُسے پانی نہ پوچھا تو وہ گویا میں ہی تھا، میں تیرے پاس آیا تھا تو نے مجھے پانی نہ پوچھا اور جب میرا ننگا بندہ کوئی سردیوں میں ٹھٹھرتا ہوا یا چلچلاتی دھوپ میں بے قرار ہوتا ہوا تیرے پاس آیا مجھے تن ڈھانپنے کے لئے کچھ دے دو اور تو نے اسے کچھ نہیں دیا تو وہ میں ہی تھا۔ (مسلم کتاب البر والصلہ حدیث نمبر: ۴۶۶۱)

اس حدیث میں بہت گہرائی ہے، حیرت انگیز وسعت ہے۔ اس کے ذریعے آپ خدا سے اپنے معاملات کو پرکھ سکتے ہیں اور نئی قرب کی راہیں اس حدیث سے آپ تلاش کر سکتے ہیں اور باتوں کے علاوہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جتنا آپ کو خیال ہے اس سے بہت زیادہ خدا کو آپ سے پیار ہے ۔ ایک بھوکے بندے کو اپنا آنا کہہ دینا یہ بتاتا ہے کہ ہر بھوکے پر خدا کی نظر ہے لیکن چونکہ یہ آزمائش کی دنیا ہے، اس وقت خدا اپنے بنائے ہوئے نظام کو توڑتا نہیں لیکن توقع رکھتا ہے کہ خدا کے دوسرے بندے خدا کے کمزور اور محتاج بندوں کی ضرورتیں پوری کریں گے اور جب وہ نہیں کرتے تو جس طرح آپ کو تکلیف پہنچتی ہے محتاجی کی نگاہ سے کسی کو دیکھنے کی سوال کی نظر کسی پر ڈالنے کی اور پھر رد ہو جانے کی اسی طرح خدا اس تکلیف کو اپنی تکلیف بنا لیتا ہے۔ کتنا حیرت انگیز کتنا عظیم الشان کتنا رؤف و رحیم خدا ہے جو اپنے ہر حقیر اور ذلیل بندے پر اس طرح پیار کی نظر رکھتا ہے اور اس کے مقابل پر پھر اس سے مستقل مسلسل بے اعتنائی کرتے چلے جانا گویا کہ وہ ہے ہی نہیں ۔ اگر ہے تو صرف ہماری ضرورتیں پوری کرنے کے لئے اور ہماری منشاء کے مطابق ہم سے سلوک کرنے کے لئے ہے، کتنا بڑا ظلم ہے۔

پھر آپ جب خدا کی ضرورتیں پوری نہیں کرتے تو ان معنوں میں پوری نہیں کرتے کہ خدا کے بندوں کی ضرورتیں پوری نہیں کرتے ، خدا کے دین کی ضرورتیں پوری نہیں کرتے ۔ جب آپ سے وقت مانگا جاتا ہے آپ وقت نہیں دیتے ، جب اچھے کاموں کی طرف بلایا جاتا ہے آپ حاضر نہیں

ہوتے۔ نماز کے لئے کہا جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں کیا مصیبت پڑی ہوئی ہے کیا ہر وقت ہمارے پیچھے پڑا ہوا ہے۔ برائیوں سے روکا جاتا ہے تو آپ کہتے ہیں دین دین ہر وقت لگا یا ہوا ہے اپنا کام کرے ہر معاملے میں دخل اندازی۔ چندہ مانگا جاتا ہے تو کہتے ہیں ان کو تو چندوں کی پڑی ہوئی ہے اور ہوش ہی کوئی نہیں۔ درحقیقت اس حدیث کے مطابق آپ ہر دفعہ ایک ادنیٰ معمولی نظر آنے والے بندے کو نہیں ٹھکرا رہے ہوتے بلکہ خدا کو ٹھکرا رہے ہوتے ہیں اور پھر توقع رکھتے ہیں کہ جب آپ خدا کو اپنی مدد کے لئے بلائیں تو وہ دوڑتا ہوا غلاموں کی طرح آپ کے سامنے حاضر ہو جائے۔ تو خدا نہ ہوا وہ تو الہ دین کا جن بن گیا جب بھی لیمپ کو رگڑا اسی وقت وہ جن حاضر ہوا اور اس نے کہا جو کام مجھ سے کروانا ہے کروالو۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانیں اور اس سے پیار کا تعلق اس وقت قائم کرنے کی کوشش کریں جب خدا کو آپ کی ضرورت ہے۔ وہ پیار کا تعلق ایسا ہے جو خدا کبھی نہیں بھولتا اور وہ پیار کا تعلق ہے جو آپکی دعاؤں کو تقویت بخشتا ہے گویا کہ اس دوسری حالت سے جس قدر جلد ممکن ہو تیسری حالت میں داخل ہو جائیں یعنی ہر وقت خدا کی محبت میں زندہ رہنا سیکھ لیں، ہر وقت آپ کی نگاہ اس بات پہ لگی رہے کہ میں کس طرح اپنے آقا کو خوش کروں۔ مجھے اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو میں ایسی حالت میں ہر وقت اپنے آپکو پاؤں کہ گویا خدا کی ضرورتوں کے تلاش میں ہوں۔ میں اپنے نفس کو اس طرح پیش کروں کہ اے خدا! مجھے تو اس بات میں لطف آتا ہے کہ تیرے دین کی یا تیرے بندوں کی کوئی ضرورت ہو اور میں تیری خاطر اُسے پورا کر رہا ہوں۔

اس مقام کو قرآن کریم ابراہیمی مقام کہتا ہے۔ یہی مقام ہے جب ترقی کرتا ہے تو محمدیت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے جس کے اوپر پھر کوئی مقام نہیں۔ تو آپ ابراہیمی مقام سے سفر شروع کریں۔ جب خدا نے کہا اَسۡلِمۡ ۙ قَالَ اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (البقرہ:۱۳۲) اے ابراہیم! اپنے آپ کو میرے سپرد کر دے میرا ہو جا تو عرض کیا اَسۡلَمۡتُ لِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ اے خدا! میں تو پہلے ہی تیرا ہو چکا ہوں۔ میں تو پہلے بھی تیرا ہوں۔ اس لئے اس کے سوا اور میں کیا کر سکتا ہوں۔ پھر عرض کیا رَبَّنَا اَرِنَا مَنَاسِکَنَا وَ تُبۡ عَلَیۡنَا (البقرہ:۱۲۹) اے خدا! تیرا تو ہوں لیکن کچھ قربانیاں تو لے ہم سے، قربانی کرنے کا لطف تو آئے، یہ یقین تو دل میں ہو کہ ہاں میں واقعۃً تیرا ہو

چکا ہوں اَرِنَا مَنَاسِکَنَا ہمیں ہماری قربان گاہیں دکھا! وہ مواقع عطا فرما کہ ہم تیری خدمت کریں اور پھر لطف محسوس کریں گے کہ ہاں ہم سچے تھے اپنے عہد میں سچے تھے۔

یہ وہ مقام ہے جو مستقل خدا کے ساتھ رہنے کا مقام ہے جس کے بعد برائیاں خود بخود جھڑتی ہیں وہاں رہ نہیں سکتیں۔ دیکھیں اگر آپ بیماری کی حالت میں ہوں گے تو اس وقت جسم کا ردّعمل اور طرح کا ہوتا ہے جب آپ صحت کی حالت میں ہوں تو جسم کا ردّعمل اور طرح کا ہوا کرتا ہے۔ ایک پھوڑا اگر ابھی کچا ہو، زخمی ہوا ایک بچہ اسے جتنا چاہے چھیلتا چلا جائے وہ کھرنڈ اس پہ پھر آنا ہی آنا ہے وہ آتا چلا جائے گا۔ وہ چھیلتا چلا جائے گا وہ کھرنڈ آتا چلا جائے گا لیکن اگر وہ بھر جائے اگر اس مقام کو صحت نصیب ہو تو آپ چھیلیں نہ چھیلیں وہ کھرنڈ جسے ہم پنجابی میں کہتے ہیں وہ اوپر ایک ڈھکنا سا بن جاتا ہے وہ خود بخود اتر جاتا ہے آپ چاہیں بھی اس کو روک کے رکھیں تو نہیں روک کے رکھ سکتے۔ گناہوں اور صحت مند بدن کی ایسی ہی مثال ہے۔ خدا کی محبت وہ صحت بخشتی ہے وہ تقویٰ عطا کرتی ہے جس کے نتیجے میں زخم مندمل ہونے شروع ہو جاتے ہیں اور گناہوں کے چھپر خود بخود جسم کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ آپ چاہیں بھی تو وہ چمٹ نہیں سکتے کیونکہ آپ کا بدن ان کو چھوڑ رہا ہے ان کو مزید چمٹنے کی اجازت نہیں دیتا اور بغیر کسی تکلیف کے بلکہ خوشی اور لذت کے احساس کے ساتھ گناہ جھڑتے ہیں۔

پس سب سے آسان، سب سے زیادہ مفید، سب سے زیادہ دیرپا بلکہ سب سے زیادہ وفادار ہمیشہ ساتھ رہنے والا نسخہ یہی نسخہ ہے کہ محبت پر بنا کرنے والا تقویٰ حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ سے پیار کریں اور اس کے وفادار بندے بنیں۔ **اس وقت خدا کی خدمت میں حاضر ہوں جب آپ کو کوئی طلب نہ ہو اور کوئی تمنا نہ ہو کچھ مانگنے کی خواہش نہ ہو۔** اگر اس وقت آپ خدا کی ضرورت کے لئے فکر مند ہوں گے اور خدا کے دین کے لئے اپنے آپ کو مستعد پائیں گے تو سوچیں تو سہی کہ آپ کا دوست جو آپ سے اس طرح کا سلوک کرتا اس کے لئے آپ کیا جذبہ محسوس کرتے ہیں۔ ایسے بھی بعض دوست ہوتے ہیں جو کبھی اپنی ضرورت کے لئے نہیں آتے۔ وہ جب آتے ہیں آپ کی ضرورت کی خاطر آتے ہیں۔ رات کو آئیں گے دروازہ کھٹکھٹائیں گے کہ شور کی آواز سنی تھی ہمیں خیال پیدا ہوا کہ کہیں کوئی دشمن تو نہیں آیا، کوئی چور تو نہیں آیا، بچے کی آواز آئی تھی اس کو تکلیف تو نہیں ہمیں حکم دیں ہم

ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں۔کئی ایسے دوست ہوتے ہیں اس دنیا میں بھی جو ہر وقت دوستوں کی ضرورت پر دھیان رکھتے اور ہمیشہ اس دھیان میں فکر مند رہتے ہیں۔جب بھی ملتے ہیں آپ کی خاطر آپ کو ملتے ہیں۔آپ سوچیں کہ اگر کبھی ان کو ضرورت پڑے تو کیا آپ کے دل میں ان کے لئے بے اختیار محبت کا جذبہ نہیں موجود ہوگا؟ کیا آپ کے دل میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے آمادگی نہیں پائی جائے گی۔ یقیناً انسانی قدریں اگر آپ میں زندہ ہیں تو یہی آپ اس سے سلوک کریں گے بلکہ آپ کوشش کریں گے کہ آپ بھی اس پر نظر رکھیں،اس کی ضرورت پر نظر رکھیں کیونکہ آپ جانتے ہوں گے کہ اس نے مجھ سے کچھ نہیں کہنا۔تو بعض بندے اسی طرح مجسّم دعا بن جایا کرتے ہیں۔ **حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اس وقت خدا ان پر نظر رکھنے لگتا ہے۔دعا منہ سے اٹھنے سے پہلے خدا ان کی ضرورتوں پر نگاہ کرتا ہے،جب وہ سو رہے ہوتے ہیں تو وہ ان کے لئے جاگ رہا ہوتا ہے،جب وہ دشمن سے غافل ہوتے ہیں تو وہ دشمن پر نگاہ کر رہا ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے اپنے معاملے میں خدا تعالیٰ کے ساتھ راست بازی کا معاملہ کیا اور وفا کو انتہائی مقام تک پہنچا دیا۔خدا سے بڑھ کر کوئی وفادار نہیں،خدا سے بڑھ کر کوئی راست بازی کا معاملہ کرنے والا نہیں۔آپ ایک دفعہ خدا سے اس قسم کا معاملہ کریں خدا دس دفعہ ہزار دفعہ اَن گنت دفعہ اسی قسم کا معاملہ اس سے بہت بڑھ کر شان کے ساتھ آپ سے کرتا چلا جائے گا۔**

**تو تقویٰ کا سودا تو حاصل کا سودا ہے زیاں کا کوئی تصور اس سودے میں نہیں پایا جاتا۔حاصل ہی حاصل ہے کچھ بھی آپ گنوا نہیں سکتے جتنا آپ کھوتے چلے جائیں گے بظاہر اس سے بے انتہا زیادہ آپ کو عطا ہوتا چلا جائے گا۔**

اس لئے بجائے اس کے کہ خشک نصیحتوں کے ذریعے،نظام جماعت کی مسلسل کوشش اور محنت کے ذریعے ہم یہ انتظار کریں کہ کب آپ کی حالتیں بدلیں،کب آپ روحانی لحاظ سے دینی لحاظ سے ترقی کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچیں کہ باقی دنیا کے لئے بھی روشنی کا منار بن جائیں۔میں نے یہ سوچا کہ یہ نسخہ آپ کو دوں جو معاً کام کرتا ہے جو پھل کے لئے سالوں کا انتظار نہیں کیا کرتا۔اس بوڑھے کے درخت کی طرح ہو جاتا ہے جس نے مدتوں اس بات کا انتظار نہیں کیا کہ کب یہ درخت جوان ہو کب وہ جوان ہو اور پھر اس کو پھل لگیں بلکہ جیسا کہ آپ نے بارہا اس واقعہ کو سنا ہوگا کہ ایک

مسلمان بادشاہ ایک دفعہ ایک سفر پر جا رہا تھا اس کے ساتھ ایک وزیر تھا اور اس نے اپنے وزیر کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی میں سفر پہ جاؤں میری شان کے مطابق کچھ اشرفیوں سے بھری ہوئی تھیلیاں ساتھ رکھ لیا کرو تا کہ اگر مجھے کوئی بات پسند آئے اور میرا انعام دینے کو دل چاہے تو میری شان کے مطابق کوئی انعام ہو جو میں کسی خوش کرنے والے کو دے سکوں۔ چنانچہ اس کا دستور بھی یہی تھا کہ جب بھی سفر پہ جاتا تھا وزیر اس قسم کی تھیلیاں ساتھ رکھ لیا کرتا تھا۔

ایک موقع پر سفر کرتے ہوئے اس کا ایک بوڑھے کسان کے پاس سے گزر ہوا جو کھجور کی پنیری لگا رہا تھا، ایک جگہ سے کھجور کے چھوٹے چھوٹے پودے منتقل کر رہا تھا دوسری طرف وہ بڑی عمر کا تھا۔ بادشاہ وہاں کھڑا ہوا اور اس نے اسے تعجب سے پوچھا کہ اے بڑے میاں! آپ تو عمر کے آخری کنارے تک پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ کیوں ایسا کام کر رہے ہیں جس کا پھل آپ نہیں کھا سکتے۔ یہ کھجور تو نو سال یا دس سال کے بعد پھل دے گا اس وقت تک آپ مر چکے ہوں گے تو کیوں اپنی محنت ضائع کر رہے ہیں۔ اس بوڑھے نے جواب دیا کہ بادشاہ سلامت! میرے بڑوں نے جو درخت لگائے تھے میں نے ان کا پھل کھایا۔ اب میں جو درخت لگاؤں گا میرے چھوٹے بعد میں آنے والے وہ پھل کھائیں گے اسی طرح ایک نسل دوسری نسل کا شکریہ ادا کیا کرتی ہے۔ یہ بات بادشاہ کو اتنی پسند آئی کہ جیسا کے اس کی عادت تھی اس نے زہ! کہہ دیا یعنی کیا خوب بہت ہی عمدہ اور وزیر کو حکم تھا کہ جب وہ زہ کہے تو تم فوراً ایک تھیلی اشرفیوں کی اس کو پیش کر دو۔ چنانچہ بادشاہ نے زہ کہا اور وزیر نے اس بوڑھے کو ایک اشرفیوں کی ایک تھیلی تھما دی۔ بوڑھے نے جواب دیا کہ واہ! بادشاہ سلامت کیا شان ہے میرے اس درخت کی کہ دنیا کے درخت تو نو نو دس دس سال انتظار کرتے ہیں پھل کا میرے اس درخت نے تو ابھی پھل دے دیا۔ بادشاہ کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ اس نے پھر زہ! کہہ دیا اور وزیر نے دوسری تھیلی اشرفیوں کی بھری ہوئی اس بوڑھے کو پکڑا دی۔ بوڑھے نے کہا اللہ تیری شان! کیسا درخت تو نے مجھے عطا کیا ہے کہ دنیا کے کھجور کے درخت تو جب بھی پھل دیتے ہیں سال میں ایک پھل دیتے ہیں اور میرا درخت تو دو دو پھل دینے لگا۔ بادشاہ کہ منہ سے پھر زہ نکل گیا اور وزیر نے تیسری تھیلی اس کو پکڑا دی لیکن ساتھ ہی بادشاہ نے کہا کہ جلدی کرو یہاں سے نکلو ورنہ یہ میرا خزانہ خالی کر دے گا۔

لیکن میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کے سارے اگلے اور پچھلے بڑے اور چھوٹے

ساری زندگیاں نسلاً بعد نسلٍ ایسے اعمال کرتے رہیں جن پر خدا زہ کہتا رہے تو تب بھی **قیامت تک اور قیامت کے بعد تک بھی خدا کے خزانے خالی نہیں ہو سکتے۔ وہ جگہ چھوڑ کر جانے والا نہیں ہے۔** وہ احسان کرنے والوں سے بے وفائی کرنے والا نہیں ہے۔ آپ جتنا نیک عمل کرتے چلے جائیں گے خدا اور خدا کے فرشتے زہ کہتے چلے جائیں گے اور آپ پر لامتناہی انعامات کی بارشیں ہوتی چلی جائیں گی۔

یہ وہ درخت ہے جسے قرآن کریم شجرِ طیبہ کہتا ہے تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراہیم:۲۶) کہ ایسا شجرۂ طیبہ مومنوں کو خدا عطا فرماتا ہے کہ وہ ہر آن پھل دیتا چلا جاتا ہے اور موسم کی انتظار نہیں کرتا بِاِذْنِ رَبِّهَا آسمان سے خدا زہ کہتا ہے حکم دیتا ہے، تب اس کو پھل لگتے ہیں۔ تو دیکھئے یہ فرضی قصہ نہیں ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ قرآن کریم میں اس درخت کا ذکر ہے اور فرماتا ہے کہ ہر لمحہ پھل دینے والا ایک درخت ہے جو قرآن تمہیں عطا کرتا ہے۔ وہ نیک اعمال کا شجرۂ طیبہ ہے جس پر خدا کے حکم سے سوا پھل نہیں لگتا یعنی جو کچھ ملتا ہے آسمان سے آتا ہے اور خدا اس حکم کو دیتے دیتے تھکتا نہیں اگر آپ اس درخت کی حالت بہتر بناتے چلے جائیں گے تو یقین کریں کہ ہر لمحہ خدا زہ زہ! کی آواز بلند کرتا چلا جائے گا اور خدا کے حکم سے اس درخت کو عظیم الشان روحانی پھل لگتے چلے جائیں گے۔

پس تقویٰ کی زادِ راہ لے کے چلیں۔ یہ وہ زاد ہے جو ختم ہونے میں نہیں آتی۔ باقی جتنی تھیلیاں ہیں سفر کے خوراک کی وہ تو خالی ہوتی چلی جاتی ہیں۔ جتنا لمبا سفر ہوتا چلا جاتا ہے اتنی تھیلی سکڑتی چلی جاتی ہے اور ایک موقع پر آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا زادِ راہ ختم ہو گیا۔ مگر کیا شان ہے قرآن کریم کی کہ ایسا زادِ راہ ہمیں بتایا کہ جو ختم نہ ہونے کی بجائے بڑھتا چلا جاتا ہے اور اس تھیلی کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا کیونکہ یہ تھیلی کا بوجھ لے کر آپ نہیں چلتے آسمان سے ضرورت کے مطابق ہر وقت اس کو پھل ملتا چلا جاتا ہے۔ پہلے اگر یہ لے کر نہیں بھی چلے تھے تو اب یہ پکڑ لیں یہ ایک نہ ختم ہونے والی رزق کی تھیلی ہے جو دنیا کے رزق سے بھی تعلق رکھتی ہے اور روحانیت کے آسمانی رزق سے بھی تعلق رکھتی ہے۔ اگر آپ تقویٰ کے ذریعے اس زندگی کا سفر شروع کر دیں اگر پہلے نہیں بھی تھا اب شروع کر دیں تو دیکھیں گے کہ آپ کی بھی حالت بدلنی شروع ہو جائے گی اور آپ کے ماحول آپ کے گرد و پیش کی حالت میں بھی ایک عظیم انقلابی تبدیلی رونما ہونے لگ جائے گی۔

**تبلیغ** کی طرف میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں **تبلیغ کے لئے سب سے زیادہ ضروری چیز تقویٰ** ہے۔تقویٰ سے یعنی اس یقین کے ساتھ کہ خدا سے مجھے پیار ہے میں خدا کا ہوں تقویٰ سے یعنی اس یقین کے ساتھ کے خدا مجھ سے پیار کرتا ہے۔آپ کو اتنی عظمت نصیب ہوتی ہے۔آپ کی بات میں اتنی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ دیکھنے والا نہ سمجھنے کے باوجود جانتا ہے کہ یہ ایک مختلف بات ہے۔عام باتوں سے ایک الگ بات ہے اس میں ایک بڑا وزن محسوس ہوتا ہے۔ایسے شخص کا چہرا بدل جاتا ہے اور اس کی باتوں میں ایسا اثر پیدا ہوتا ہے کہ مجبور ہو کر لوگ اس کی باتوں پر کشاں کشاں اس کی طرف چلے آتے ہیں ان کے لئے چارہ نہیں رہتا کچھ اور۔خصوصاً اس سوسائٹی میں جس میں آپ نے خدا کی طرف بلانا ہے۔جہاں تک عقل کا تعلق ہے ان کی عقلیں آپ سے کسی حال میں بھی کم نہیں بلکہ عقل کے سفر میں یہ آپ سے اتنا آگے بڑھ چکے ہیں کہ بعض حالتوں میں سینکڑوں سالوں کا فاصلہ آپ کو دے گئے ہیں۔ان کی صناعی،ان کا سائنس کے ہر شعبہ کا علم اتنا تیزی سے آگے آگے بھاگ رہا ہے کہ مشرق سے آنے والے اگر اپنی پوری قوت کے ساتھ بھی ان کی پیروی کریں تو ان کے کندھے کے ساتھ کندھا ملانے کی طاقت نہیں پاتے۔ پیچھے پیچھے آئیں گے۔اس لئے یہاں اس دنیا میں اس میدان میں آپ ان کو کیا سکھا سکتے ہیں کچھ بھی نہیں۔آپ تو بھکاری بن کے آئے، بھکاری بن کے ہی رہیں گے۔اگر دولت کے بھکاری نہیں تو علم کے بھکاری بنے رہیں گے اور ان سے سیکھے بغیر آپ کی نہیں سارے مشرق کی حالت اب نہیں بدل سکتی کیونکہ بہت بڑا فاصلہ دے چکے ہیں اب آپ کو۔ہاں ایک میدان خالی ہے اور وہ تقویٰ اور محبت الٰہی کا میدان ہے۔علم کی بجائے یہ ان کو عطا کریں اور یہ اتنا بڑا احسان ہوگا کہ ساری عمر کی کمائیاں ساری زندگی کا ماحصل بھی آپ کے قدموں میں ڈال دیں تو اس احسان کا بدلہ نہیں اتار سکتے۔کیونکہ مخلوق کے بدلے آپ خالق ان کو دے رہے ہیں مادیت کے بدلے آپ ان کو روحانیت عطا کر رہے ہوں گے لیکن اگر آپ خدا والے ہوں تو پھر آپ کی بات کا ان پر اثر ہوگا یہ یقین کریں گے کہ ہاں اس کے ذریعے خدا مجھے مل سکتا ہے۔اگر خالی ذہنی چالاکی سے کام لیں گے یا دلائل کے برتتے پر آپ ان کو فتح کرنے کی کوشش کریں گے کچھ دیر یہ بات سنیں گے اور کچھ دیر کے بعد منہ موڑ کے دوسری طرف چلے جائیں گے۔ہوسکتا ہے کہ آپ سمجھتے ہوں کہ ان پر اثر پڑ گیا لیکن خالی باتوں کا کوئی اثر نہیں پڑا کرتا۔اتنا اثر بہر حال نہیں پڑتا کہ اپنی زندگی کی حالت بدل دیں

اور کیسے ممکن ہے کہ یہ اپنی زندگی کی حالت کو بدل دیں جبکہ ان کی ظاہری زندگی کی حالت آپ کی حالت سے بہت بہتر ہے۔

آپ سوچیں کہ اگر کوئی خانہ بدوش جو نہایت سختی کی حالت میں زندگی بسر کر رہا ہے آپ کو نہ صرف یہ کہے کہ عقیدۃً اس کا عقیدہ اختیار کرلو بلکہ یہ کہے کہ خانہ بدوش بن جاؤ اور ہمارے ساتھ یہی زندگی اختیار کرلو، کتنا مشکل کام ہے۔ جب آپ ان کو پیغام دیتے ہیں اسلام کا اور اسلامی تہذیب کا تو اسی قسم کے فاصلے ان کو دکھائی دیتے ہیں۔ تمدن کی ساری آزادیاں چھیننے کی آپ ان کو تلقین کر رہے ہوتے ہیں۔ آپ کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اعلیٰ زندگی، ناچ، گانا، آزادی جو چاہو کرو جس طرح بسر کرو اچھے کپڑے پورے پہنو آدھے بدن پہ پہنو نہ پہنو سب آزادیاں ہیں جو رنگ ڈھنگ چاہو اختیار کرو ان اداؤں کو چھوڑ دو اور زنجیریں پہن لو، اپنے پور پور کو خدا کی رضا کے اندر جکڑ کر رکھ دو۔ اپنے وقت کا کچھ بھی نہ رہنے دو سب کچھ خدا کو دے دو اور خواہ تمہیں سمجھ آئے یا نہ آئے وہ زندگی کا طریق اختیار کرو جو ہم بتاتے ہیں کہ خدا تم سے چاہتا ہے تو آپ بتائیں کہ اس نئی زندگی میں جو آپ ان کو دے رہے ہیں اور اس پرانی زندگی میں ان کو کتنے فاصلے دکھائی دیں گے؟ بہت ہی مشکل کام ہے۔ اس لئے اگر یہ چھوڑ کر آتے ہیں تو آپ کی خاطر نہیں، آپ کی چالاکیوں کی خاطر نہیں، اس یقین کے نتیجے میں کہ ہاں خدا یہ ہم سے چاہتا ہے۔

اس لئے خدا کے بغیر آپ کس طرح ان کو فتح کر سکتے ہیں، خدا کے بغیر آپ کیسے ان میں انقلاب برپا کر سکتے ہیں، خدا کے بغیر کیسے تصور کر سکتے ہیں کہ آپ کی تبلیغ کسی قسم کے کرشمے دکھائے گی اور خدا وہ خدا نہیں جو آسمان پر خیالی بسنے والا خدا ہے۔ خدا وہ خدا جو آپ کی ذات میں بسنے والا خدا ہے وہ تبدیلیاں پیدا کرے گا۔ اس لئے ہر ذات میں خدا کو بسانا ہوگا، ہر ذات میں خدا کی محبت کا زادِ راہ داخل کرنا ہوگا اور ہر شخص کو ضروری ہوگا کہ وہ زادِ راہ لے کر چلے، خدا کی محبت کے لقمے چکھائے ان لوگوں کو خدا کی محبت کے چسکے پیدا کرے، بتائے کہ ہاں میرے سے تمہیں خدا کی محبت ملے گی۔ مجھ سے تمہیں زندہ خدا ملے گا، نشان دکھانے والا خدا ملے گا، اپنی ہستی کا ہر آن ثبوت دینے والا خدا ملے گا یہ آپ پیغام دیں تو پھر دیکھیں کتنی حیرت انگیز اور کتنی تیزی کے ساتھ تبدیلیاں رونما ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

اس لئے اس بات پہ زور دیں اور چونکہ وقت تھوڑا رہ گیا ہے احمدیت کی اگلی صدی بس اب

سر پہ آئی کھڑی ہے بمشکل دو سال، دو سال سے بھی کم عرصہ باقی ہے اس عرصے میں آپ نے کم سے کم ایک ہزار جرمن خدا کے حضور تحفے کے طور پر پیش کرنا ہے۔ یہ کوئی معمولی کام تو نہیں ہے لیکن اگر خدا کی محبت کا زادِراہ آپ لے کر چلیں گے تو بالکل معمولی کام ہو جائے گا۔ جو خدا کی خاطر خدا سے اس کی محبت کی خاطر یہ چاہے گا کہ خدا کے لئے ایک دل جیتے کسی غلام بندے کا کیسے ممکن ہے کہ خدا اس پر رحم کی نظر نہ فرمائے اس کی مدد نہ کرے، اس کے لئے راہیں آسان نہ فرما دے، خود اس کے بوجھ نہ اُٹھا لے یہ نہیں ہوسکتا۔ لازماً خدا ایسے بندے کی بات میں اثر رکھ دے گا۔ اس کی اداؤں کو دلنشین بنا دے گا، اس کی ہستی کو ایسی جاذبیت بخشے گا کہ لوگوں کے لئے اُسے ردّ کرنا ممکن نہیں رہے گا۔

اس لئے آپ اس طریق کو اختیار کرتے ہوئے اپنی زندگی کا ایک نیا سفر شروع کریں آپ میں سے بہت سے ہیں جو پہلے ہی اس سفر سے آشنا ہیں۔ جب مجھے خط ملتے ہیں تو خط کے دو چار سطروں سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ کس مقام کا آدمی ہے، کس تجربے کا آدمی ہے، کس قبیل سے تعلق رکھنے والا ہے۔ حروف پر مُہریں ہوتی ہیں اور محبت الٰہی تو ایسی چیز ہے جو مہر کئے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔ محبت الٰہی رکھنے والا تو دوسروں کے لئے بھی خاتم ہو جایا کرتا ہے۔ چنانچہ خاتم النبیین کے سب سے اعلیٰ معنی یہی ہیں کہ محمد مصطفی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی محبت کی خاتمیت عطا کی گئی ہے اور ایسی جس سے دوسرے نبی گر سیکھیں ایسے جن سے دوسرے نبی محبت الٰہی کے راز حاصل کریں اور قدم قدم چلنا سیکھیں اتنا عظیم الشان نبی ہے یہ۔ تو خدا کی محبت کی ایک مہر ہوتی ہے وہ ضرور لگتی ہے، وہ ضرور اپنا نشان چھوڑتی ہے۔ تحریریں اس مُہر سے زندہ ہو جایا کرتیں ہیں، اداؤں کی کیفیت بدل جایا کرتی ہے۔ ایک روحانی انقلاب انسان پر برپا ہو جاتا ہے۔ پس اس دولت سے آپ استفادہ کریں اور ایک لمحہ زندگی کا اس فیصلے کے لئے صرف کر دیں کہ اے خدا! میں تیرا ہونا چاہتا ہوں، میں نے فیصلہ کر لیا ہے بہت کمزور ہوں، بہت خامیاں ہیں ہوسکتا ہے بعد میں بھی مجھ سے کمزوریاں سرزد ہوں مگر اپنا بنائے رکھنا، کبھی مایوس نہ کرنا اس پہلو سے، ہمت اور تقویٰ عطا کرنا کہ اگر تو میرے سوالوں کو رد بھی کرے تب بھی میں تجھ سے اسی طرح محبت کرتا چلا جاؤں اور کبھی تجھ سے بے وفائی کا خیال دل میں نہ لاؤں۔

خدا کرے کہ ہم اس سبق کو ہمیشہ کے لئے اپنے دلوں میں گرہ دے دیں، دلوں میں جانشین کر لیں، دلوں کی تہہ میں بٹھا لیں کیونکہ دل سے ہو کر سارا خون گزرتا ہے اگر خدا کی محبت دل میں

جانشین ہو جائے تو خون کے ذرے ذرے میں رچ بس جاتی ہے، وجود کے ذرے ذرے تک پہنچتی ہے اور یہ فیصلہ کتنا آسان ہے دل میں خدا کی محبت کا فیصلہ کر لیا۔ اللہ کرے اس کی توفیق عطا ہو اور خدا کرے جتنی توقعات آپ سے اس ملک میں عظیم الشان انقلاب کی میں وابستہ رکھتا ہوں اس سے بہت زیادہ توقعات آپ کو خدا تعالیٰ پوری کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:۔

آج نماز جمعہ اور عصر جمع ہوں گی اور ان کے معاً بعد ایک نماز جنازہ حاضر پڑھائی جائے گی اور اس کے علاوہ پانچ نماز جنازہ غائب ہوں گی۔

مکرم عزیز اللہ خان صاحب راولپنڈی کے تھے جو مکرم سمیع اللہ خان اور احسان اللہ خان صاحب جو جرمنی میں یہاں مہاجر ہو کر آئے ہیں۔ ان کے والد تھے ان کے پاس آئے ہوئے تھے۔ موصی تھے یہاں دل کا حملہ ہوا اور چند دن کی بیماری کے بعد وفات پا گئے انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کی نماز جنازہ حاضر ہو گی۔

دوسرے پانچ جنازے غائب ہیں ایک محمد عبداللہ ابولطفی صاحب عمر چھیاسی سال۔ فلسطین کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے، مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے زمانے میں احمدی ہوئے اور مکرم عثمان محمد عودہ صاحب جو کبابیر جماعت کے سیکرٹری تبشیر ہیں ان کے والد تھے۔

ایک شیخ مشتاق احمد صاحب اور شیخ شبیر احمد صاحب کی والدہ محترمہ کا جنازہ ہے ویسے تو یہ پنجاب کا خاندان ہے لیکن بہت مدت سے مردان میں آباد ہوا اور بہت بڑے سخت ابتلاؤں میں سے خصوصاً حالیہ گزشتہ ابتلا میں اس خاندان کو بہت تکلیفوں کا سامنا، بہت آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑا لیکن ان کی والدہ بڑی بزرگ، بہت مخلص تھیں اور یہ ان کی ہی نیک دعائیں اور نیک تربیت کا نتیجہ تھا کہ ان بچوں کو خدا کے فضل سے بہت ہی مشکل حالات کا مردانہ وار مقابلہ کی توفیق ملی ہے، ان کی بھی وفات ہو گئی ہے۔ اللہ ان کا سایہ اٹھنے کے بعد بھی ان کو اپنے فضلوں کے سائے سے محروم نہ رکھے اور اسی طرح استقامت بھی عطا فرمائے اور مشکلات بھی حل کرے اور ان کی مرحومہ والدہ کے درجات بلند فرمائے۔

ایک ہمارے ناظر صاحب بیت المال قادیان مکرم مولوی عبدالقدیر صاحب درویش

ابتدائی درویشوں میں سے تھے وہ پاکستان سے آرہے تھے کہ دل کا حملہ ہوا اور چند دن کے بعد اسی سے ان کی وفات ہوئی۔

ایک جنازہ چوہدری غلام قادر صاحب چیمہ چک ۸۴ فتح ضلع بہاولپور کا ہے یہ بھی قادیان کے درویش مظفر اقبال صاحب کے دادا تھے انہوں نے ان کے لئے نماز جنازہ غائب کی درخواست کی ہے۔

ایک پانچواں جنازہ محترمہ سکینہ بیگم صاحبہ اہلیہ اللہ بخش صاحب سکنہ وساوے والا ضلع اوکاڑہ کا ہے۔ یہ ہمارے ایک واقف زندگی اور جامعہ کے پروفیسر مرزا محمد الدین صاحب ناز کی ہمشیرہ تھیں کافی لمبی بیماری ان کو بڑی تکلیف دہ بیماری چلی آرہی تھی، بڑی صابرہ شاکرہ خاتون تھیں۔ ان کے لئے بھی مغفرت کی دعا کریں اللہ تعالیٰ رحم کا سلوک فرمائے۔

نماز جمعہ اور عصر کے معاً بعد انشاء اللہ یہ نماز جنازہ غائب ہوں گے، حاضر اور غائب۔